اپنے تشخّص کو پہچانیں تو سورۃ فتح میں دی گئی خوشخبری آپ کے حق میں پوری ہوگی۔ رزق حلال کمائیں اور کھائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ رمئی ۱۹۹۳ء بمقام ہالینڈ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹

(الفتح: ۳۰)

پھر فرمایا:۔

گزشتہ خطبے میں جو میں نے انگلستان میں دیا تھا اس میں اس آیت کریمہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۶۹ (البقرہ: ۱۶۹) اے بنی نوع انسان! حلال رزق کھایا کرو، جائز رزق کھایا کرو جو جائز بھی ہو اور طیب بھی ہو۔ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ کی پیروی نہ کرو۔ اس ضمن میں، میں

نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات بھی یا غالباً ایک اقتباس پڑھ کر سنایا تھا۔ جس میں جماعت احمدیہ سے اس توقع کا اظہار فرمایا گیا تھا کہ تم وہ جماعت ہو جس کا قرآن کریم میں اٰخَرِیْنَ کے لفظ کے تابع ذکر ملتا ہے، تم وہ جماعت ہو جس سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہؓ کی صفات کی توقع کی جاتی ہے۔ ان کے اخلاق، ان کی صفات، ان کی طرزِ زندگی کو اپنی زندگی میں دہراؤ گے اور اپنی زندگیوں میں اُن اخلاق حسنہ کو زندہ کرو گے یا یوں کہنا چاہئے کہ اُن اخلاق حسنہ سے اپنی زندگیوں کو زندہ کرو گے اور نئی زندگی پا کر دنیا کے لئے ایک نمونہ بنو گے۔ یہ بلند توقعات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ مجھے تم سے وابستہ ہیں اور میں یہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق کہہ رہا ہوں۔ اللہ کو یہ توقعات ہیں تم سے جب تک ان توقعات پر پورا نہیں اترو گے دنیا میں حقیقی روحانی انقلاب برپا نہیں کر سکتے۔

یہ وہ مضمون تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختصراً بیان فرمایا۔ الفاظ مختلف تھے لیکن میں آپ کو یاددہانی کے طور پر بتا رہا ہوں کہ یہی مضمون ہے جس کے تسلسل میں آج میں نے اس آیت کا انتخاب کیا ہے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے پاک نام سے شروع ہوتی ہے۔ فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اور وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ ہیں۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ وہ کفار پر بہت سخت ہیں۔ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ آپس میں بہت ہی رحم کرنے والے اور محبت کرنے والے ہیں تَرٰىھُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا تم اُن کو ایسی حالت میں دیکھو گے کہ وہ رکوع بھی کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔ يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا اللہ ہی سے فضل طلب کرتے ہیں اور اللہ ہی کی رضا چاہتے ہیں سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ اُن کے چہروں پر اُن کے سجدوں کے اثر سے علامات ظاہر ہو چکی ہیں۔ اُن کے چہرے بتاتے ہیں کہ یہ مختلف چہرے ہیں۔ اُن کے چہرے بتاتے ہیں کہ یہ سجدہ کرنے والوں کے چہرے ہیں۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ یہ اُن کی مثال تورات میں دی گئی ہے۔ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ اُن کی ایک مثال انجیل میں بھی ہے وہ یہ ہے كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ اور اُن کی مثال ایسی کھیتی کی طرح ہے، ایسے بیج کی طرح ہے یعنی کھیتی کی طرح ہے جس میں بیج روئیدگی اختیار کرے اور

کونپلیں نکالے۔ فَاٰزَرَهٗ پھر وہ کونپل مضبوط ہو جائے۔ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ وہ مضبوط ہو یا وہ ڈالی بن جائے، ڈنٹھل بن جائے۔ فَاسْتَغْلَظَ پھر وہ ڈنٹھل مضبوط ہونے لگے فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ اور اپنی شاخ پر جس پر وہ شاخ پھوٹی ہے وہ اپنی ذات میں کامیاب ہو جائے دوسروں کے سہارے کا محتاج نہ رہے۔ ایسی مضبوطی پیدا ہو جائے کہ جیسے تنا ایک مضبوط درخت کا طاقتور ہو کر ہر قسم کے بوجھ اٹھا لیتا ہے اور خود بھی کسی سہارے کا محتاج نہیں رہتا۔ اس طرح وہ پھوٹے اور اپنی ذات پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائے۔ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ وہ زمیندار جو یہ کھیتی بوتے ہیں ان کے لئے وہ لطف اور تعجب کا موجب بنے، وہ لطف اٹھائیں اس کو دیکھ کر۔ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ اور جو انکار کرنے والے ہیں وہ غیظ و غضب میں مبتلا ہو جائیں۔ وہ اس نشو ونما کو دیکھیں روز بروز مضبوط ہوتی ہیں، توانا ہوتی ہیں، بڑھتی پھیلتی پھولتی پھلتی کھیتی کو دیکھتے ہیں تو اُن کو غصہ آتا ہے مگر کچھ کر نہیں سکتے کیونکہ اس کھیتی کا مقدر یہ ہے کہ اس نے بہر حال، ہر طور بڑھنا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس لئے کہ اللہ کا وعدہ ہے کن لوگوں سے وعدہ ہے الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک اعمال اختیار کرتے ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ وہ ایمان لانے والے جو نیک اعمال بھی کرتے ہیں اُن سے وعدہ ہے۔ خالی ایمان لانے والوں سے وعدہ نہیں ہے۔ اُن ایمان لانے والوں سے وعدہ ہے جو نیک عمل کے ذریعے اپنے ایمان کی صداقت کا اقرار کرتے ہیں اور جب تک نیک اعمال، ایمان کے بعد انسان میں پیدا نہ ہوں ایمان کی صداقت کا حقیقی اقرار نہیں ہو سکتا۔ فرمایا مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا اُن سے وعدہ ہے ایک وہ وعدہ جو پہلے گزر گیا کہ وہ بہر حال بڑھیں گے۔ ایک وعدہ جواب آ رہا ہے مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا اللہ ہی کی طرف سے اُن سے مغفرت کا سلوک ہوگا اور بہت بڑا اجر اُن کو عطا فرمایا جائے گا۔

یہ وہ مثال ہے جس کی طرف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کی وہ جماعت ہو جو آخرین میں پیدا ہو کر اوّلین سے ملائی جائے گی۔ جو دو تمثیلات جن کا ذکر تورات میں اور انجیل میں ملتا ہے قرآن کریم نے اکٹھی بیان فرمائی ہیں۔ یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ پہلی تمثیل جو محمد رسول اللہ ﷺ کے لفظ سے شروع ہوتی ہے وہ صفات حسنہ جو اوّل دور سے تعلق رکھتی ہیں شاید ان کا تعلق دورِ اوّل سے ہے اور مسیحؑ نے جو تمثیل دی ہے اُس میں نئی صفات

بیان ہوئی ہیں اُن کا تعلق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دورِ ثانی سے ہے۔ یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح عموماً سمجھا جاتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں تمثیلات اوّل حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور اُن کے ساتھیوں پر ہی چسپاں ہوتی ہیں اور آپؐ کے حوالے سے، آپؐ کے واسطے سے، آپؐ کے وسیلے سے پھر آئندہ زمانہ میں آخرین میں منتقل ہوں گی۔ پس اوّل دور میں اور دوسرے دور میں اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ نشوونما کی طرز میں اور اُس وقت میں فرق پڑ جائے گا جس وقت کے اندر وہ نشوونما مقدر ہے۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے پہلے دور میں بہت تیزی سے اسلام نے پھیلنا تھا اور اس پہلو سے ایک جلالی شان تھی جس نے جلوہ گر ہونا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے دور کی طرح اس دور میں تلوار کا جواب تلوار سے دیا جانا تھا اور ایک جلال کی شان کے ساتھ بڑی تیزی کے ساتھ اس پیغام نے پھیلنا تھا اور مضبوطی کے ساتھ جڑ پکڑ جانی تھی۔

دوسرے دور میں جو مسیحؑ نے بیان فرمایا جس کا ذکر انجیل میں ملتا ہے وہ دور تو حضرت رسول اکرم ﷺ ہی کا دور ہے اور آپؐ کی ہی شانِ احمد سے تعلق رکھتا ہے اُس دور میں وہ بنیادی صفات تبدیل نہیں ہوں گی جن کا آیت کے پہلے حصے میں ذکر ہے اگر کسی کو یہ خیال ہے تو غلط خیال ہے۔ وہی بنیادی صفات ہیں جو مومن کا اور امت محمدیہ کے مومن کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زادِراہ مقرر کر دی گئی ہے۔ اُس کے بغیر مومن کا سفر ممکن ہی نہیں ہے اس لئے اُن کو چھوڑ کر الگ تمثیل بیان نہیں ہوئی اُن کے ساتھ ایک الگ تمثیل بیان ہوئی ہے۔ بیان یہ فرمایا گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وہ ساتھی جو اوّل دور میں ہیں اُن کی یہ صفات حسنہ ہیں، ان صفات کے ساتھ وہ تیزی سے نشوونما پائیں گے لیکن یہی صفات جب دورِ آخر میں جلوہ گر ہوں گی تو اُن کے نمو کی طرز میں فرق پڑ چکا ہوگا اُن میں ملائمت آ چکی ہوگی ان میں آہستگی ہوگی لیکن مضبوط قدموں کے ساتھ وہ آہستہ آہستہ آگے قدم بڑھانے والے لوگ ہیں۔ چنانچہ مسیحؑ کی جو تمثیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے آخری دور پر صادق آئے گی وہ یہ ہے کہ وہ اس کھیتی کی طرح ہوگی جو اُن بیجوں سے اگتی ہے جو زمیندار زمین پر پھینکتا ہے، وہ کونپلیں نکالتی ہے، وہ کونپلیں مضبوط ہوتی ہیں پھر وہ ایک شاخ نہیں بلکہ ایک تنے کی طرح ڈنٹھل بناتی ہے۔ وہ ڈنٹھل اور موٹا ہو جاتا ہے اور اُس میں پھر جو نشوونما ہے وہ ایسی ہے کہ جو دیکھنے والے دشمن کو سخت تکلیف دے گی لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنے ہاتھ سے بیج بوئے ہیں اُن کو اس سے بہت خوشی

پہنچے گی اور بہت دل کو راحت ہوگی، دشمن اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کے ساتھ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ غصہ ضرور دکھائے گا جواب میں وہ بہت ہی جاہلانہ حملے بھی کرے گا اور کوشش ضرور کرے گا غیظ کے نتیجے میں کہ اُس کھیتی کو مٹا دے، پاؤں تلے روند ڈالے مگر ایسا نہیں ہو سکے گا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (نور:۵۶) کیونکہ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے اللہ کے وعدہ کے نتیجے میں ہے وہ وعدہ جو اُس نے مومنوں سے کیا، جو نیک اعمال بجالانے والے ہیں۔ پس اگر وہ مومن اس شرط پر قائم رہیں کہ اُن کے اعمال نیک ہوں تو پھر وہ ضرور نشو ونما پائیں گے۔ یہاں جو یہ شرط رکھی گئی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا یہ وہ عمل صالح کی شرط ہے جو آخرین کو پہلوں سے ملاتی ہے۔ یہ وہ آپس میں جوڑنے کا رشتہ ہے جو وہ مضبوط رسی ہے جس کے ذریعے آخرین اولین سے ملیں گے پس اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ عملی جو رشتہ قائم کیا ہے اوّلین سے۔

یہ دوبارہ ہمیں پہلی آیت کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ اعمالِ صالحہ کیا تھے؟ جن کے نتیجے میں اوّلین پر فضل نازل ہوئے۔ وہی اعمالِ صالحہ دوبارہ فضل کا موجب بنیں گے، وہی اعمالِ صالحہ دوبارہ نشو ونما کا موجب بنیں گے، وہ ہیں کیا؟ اُن کو سمجھنے کے لئے پھر ہمیں آیت کے پہلے حصے کی طرف لوٹنا ہوگا اور یہی وہ توقعات ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اُس تحریر میں ذکر فرمایا ہے جو میں نے پہلے پڑھ کر سنائی تھی۔ فرمایا کہ تم سے یہ توقعات ہیں تم یہ بنو گے تو دنیا میں ترقی کرو گے، تم یہ بنو گے تو دنیا کے نجات دہندہ بنو گے اگر نہیں تو پھر یہ وعدے تمہارے حق میں پورے نہیں ہو سکتے۔

وہ یہ ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اس چھوٹے سے جملے میں بہت سی صفات بیان فرما دی گئی ہیں۔ جن کا رسالت سے تعلق ہے اور رسالت ایک عظیم مضمون کو بیان کرتی ہے جو زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے کیونکہ ہر رسول ایک ایسا پیغام لے کر آتا ہے جو اپنے وقت کے زندگی کے ہر شعبے پر ضرور حاوی ہوتا ہے۔ وہ رسول خواہ نسبتاً نامکمل پیغام لایا ہو لیکن جب ہم اُسے نامکمل کہتے ہیں تو آئندہ آنے والے پیغامات کے مقابل پر نامکمل کہتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک رسول اپنے وقت اور اپنی قوم کی ضروریات کے لحاظ سے نامکمل پیغام لایا ہو۔ نسبتی چیز ہے۔ ہر وقت کی

نسبت کے ساتھ وہ رسول ضرور مکمل پیغام لاتا ہے۔ پس رسالت میں تبلیغ رسالت بھی آ جاتی ہے اور پیغام کی تکمیل بھی شامل ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور پہلے رسولوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے رسول اپنے اپنے زمانوں کے رسول تھے اور قوموں کے رسول تھے۔ قیامت تک کے ہر زمانے پر اُن کا پیغام چھایا ہوا نہیں تھا اور سارے عالم کی ضروریات پر اُن کا پیغام چھایا ہوا نہیں تھا۔ پس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دین اگر کامل ہوا تو اُن مخاطبین کے رشتے سے اس میں ایک وسعت پیدا ہوئی کیونکہ تخاطب ساری دنیا سے تھا، کیونکہ خطاب ہر زمانے سے تھا اس لئے کمال اس نسبت سے کمال بنا یعنی ایسا کمال جس کے بعد اس سے اوپر کمال کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ وہ پیغام جو حضرت موسیٰؑ نے دیا وہ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے دیا تھا اور ایک زمانے تک اُس پیغام نے اپنا اثر دکھانا تھا اور اس کے بعد اُس پیغام کی حیثیت ایک گزرے ہوئے پیغام کی سی بن گئی۔ جب تک عیسیٰ علیہ السلام تشریف نہیں لائے اُس پیغام کا ایک حصہ جاری رہا یا ہر حصہ جاری رہا کہنا چاہئے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد اُس کا ایک حصہ ماضی میں دفن ہو گیا اور ایک دوسرا حصہ جاری ہوا۔ پیغام وہی تھا، اس کی خصوصیت کے ساتھ جو بات میں سمجھا رہا ہوں وہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں اُس پیغام نے جو تکمیل کی شکل اختیار کی، وہ بنی اسرائیل کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مکمل ہوا۔ اُن ضروریات میں بدلہ لینا ایک ضرورت تھی اور وقت کی اہم ترین ضرورت تھی، بنی اسرائیل بے حد بزدل ہو چکے تھے۔ فراعینِ مصر کے مظالم کے نیچے اُن کے اخلاق حسنہ اس طرح بُری طرح کچلے گئے تھے کہ بزدلی کا نام اُنہوں نے بخشش رکھ لیا تھا۔ اُن میں طاقت نہیں تھی کہ ظالم کے مقابل پر اٹھ کھڑے ہوں اور ظالم کو اس کے ظلم کا بدلہ دیں۔ چنانچہ بزدلی میں چھپ کر وہ اُس کا نام مغفرت رکھتے تھے کہ ہم معاف کر دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں اگر اُن کو مغفرت کی اجازت دی جاتی تو وہ پیغام نامکمل ہوتا کیونکہ اُنہوں نے مغفرت کی پناہ گاہ میں جا کر پھر بزدلی کے نمونے دکھانے تھے۔ پس وقتی طور پر اُن پر بدلہ لینا تقریباً فرض کر دیا گیا۔ بدلہ لینے پر اتنا زور دیا گیا کہ گویا اُن کو بخشش کی اجازت ہی نہیں حالانکہ اجازت موجود تھی لیکن زور بدلے پر تھا۔ پس وقت کی ضرورت کے مطابق وہ مکمل پیغام تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں جا کر پھر اُس کے دوسرے پہلو پر زور دیا گیا۔

بخشش کرو، بخشش کرو، بخشش کرو تو بظاہر وہ ایک پہلو ہے صرف۔ انسانی اخلاق کی مکمل تصویر نہیں کھینچتا، انسانی اخلاق کا صرف ایک پہلو ہے لیکن سنگ دل بنی اسرائیلیوں کے لئے وہ یہود جن کے دل پتھر ہو چکے تھے اُن کے لئے اُس وقت بدلے کی اجازت دینا یا بدلے کی اجازت پر زور دینا نامکمل تعلیم تھی ان کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتی تھی۔ پس وقت کی نسبت سے مکمل تعلیم کا تقاضا یہ تھا کہ مغفرت پر زور ہو اور بخشش اور بخشش اور پھر بخشش تذکرے چلیں یہاں تک سخت دلوں میں نرمی پیدا ہو جائے۔ یہ وہ مضمون ہے جو رسالت کے ساتھ وابستہ ہے۔ رسالت مختلف زمانوں میں، مختلف قوموں میں، مختلف جلوے دکھاتی ہے لیکن ہر جلوہ اپنے وقت اور اپنی قوم کی ضرورت کی مناسبت سے مکمل ہوا کرتا ہے ورنہ خدا پر یہ الزام آئے گا کہ اُس نے نامکمل تعلیمات دیں جو وقت کی ضرورت اور قوم کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتی تھیں مگر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ تو مضمون بہت وسعت اختیار کر جاتا ہے۔ یہ کل عالم پر بھی چھا جاتا ہے، تمام زمانوں پر بھی چھا جاتا ہے۔ یہاں تکمیل کے معنی بدل جاتے ہیں، یہاں تکمیل تمام زمانوں کی ضرورتوں کے لحاظ سے تکمیل ہے، یہاں پیغام کی وسعت ہر قوم کی ضرورت کے لحاظ سے سارے عالم پر پھیل جاتی ہے۔

پس یہ توقعات ہیں آپ سے، آپ محمد رسول اللہ کے غلام بن چکے ہیں، آپؐ کی غلامی کا دعویٰ کرتے ہیں تو سارے بنی نوع انسان کی ضروریات کا آپ کو خیال رکھنا پڑے گا، تمام زمانوں کی ضروریات کا آپ کو کفیل ہونا پڑے گا۔ پس کتنا بڑا پیغام ہے جو ان دو لفظوں میں بیان فرما دیا گیا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ محمد اللہ کے رسول ہیں اور محمدؐ کی رسالت کے پیش نظر تم سے توقعات کی گئیں۔ تم موسیٰؑ کے غلام نہیں ہو، تم عیسیٰؑ کے غلام نہیں ہو۔ وہ اُن کی تصدیق کرتے تھے، وہ اُن کو اللہ کا سچا رسول سمجھتے تھے لیکن تم کرشن کو بھی سچا رسول سمجھتے ہو لیکن کرشن کے تم غلام نہیں کیونکہ محمد رسول اللہ کی غلامی میں تمام انبیاءؑ کی غلامی آ گئی۔ تمام انبیاءؑ نے اپنے اپنے زمانے میں جو ضرورتیں پوری کیں اُن کے حدِ امکان تک اُن سب ضرورتوں کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ محمد رسول اللہ کی غلامی میں وہ ساری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ پس دوسرے لفظوں میں یہ کہنا پڑے گا کہ جب تم کہتے ہو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ محمد رسول اللہ کی غلامی کا دعویٰ کرتے ہو۔ تم یہ کہتے ہو کہ ہم کرشنؑ کی قوم کی ضرورتوں کو بھی پوری کریں گے کیونکہ وہ بھی ہمارے آقا و مولا محمد ﷺ نے پوری فرما دیں، ہم بدھ قوم

کی ضرورتیں بھی پوری کریں گے کیونکہ وہ بھی ہمارے آقا و مولاؐ نے پوری فرما دی ہیں کیونکہ اُن کا پیغام عالمی بھی ہے اور ہمیشہ کے لئے بھی ہے۔ ساتھ یہ بھی دعویٰ کرتے ہو کہ ہم زرتشتیوں کی ضرورتیں بھی پوری کریں گے، اُن کی پیاس بھی بجھائیں گے، اُن کی توانائی کی تمام ضروریات بھی ہمارے ہاتھوں سے پوری ہوں گی۔ ہم کنفیوشس کے ماننے والوں کی بھی ضرورتیں پوری کریں گے، ہم موسیٰؑ کے ماننے والوں کی ضرورتیں بھی پوری کریں گے اور عیسیٰؑ کے ماننے والوں کی ضرورتیں بھی پوری کریں گے اور اُن Oborigine جو قدیم زمانوں سے تعلق رکھنے والی قومیں ہیں جن کے ہاں وقتی تقاضوں کے لحاظ سے چھوٹے چھوٹے رسول آئے تھے اُن سب کی ضرورتیں بھی پوری کریں گے۔ خواہ وہ آسٹریلیا کے Oborigine ہوں یا جنوبی امریکہ میں بسنے والے ہوں، شمالی امریکہ کے ریڈ انڈینز ہوں تو یہ پیغام ہے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ دو لفظوں کے اندر جماعت احمدیہ کو دیا گیا ہے۔

اسی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم سے بہت بلند توقعات ہیں اتنی کہ جلد پوری ہو نہیں سکتیں۔ صبر کے ساتھ لمبے عرصے تک تمہیں محنتیں کرنی ہوں گی۔ تب جا کر تم ان توقعات پر پورا اترو گے ایک دن میں یہ رفعتیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جلد جلد رفعتیں حاصل کرنے کا زمانہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ذاتی اپنا، وہ زمانہ تھا جس میں آپؐ زندہ تھے۔ وہ ایک عجیب شان تھی ایک ایسا جلوہ تھا جو بڑی تیزی کے ساتھ پھیلا، بڑی تیزی کے ساتھ حیرت انگیز انقلابی تبدیلیاں برپا کر دیں۔ مسیح موعود علیہ السلام یہ فرما رہے ہیں کہ تم اس دوسری مثال سے تعلق رکھتے ہو جو مسیحؑ نے دی تھی۔ صفات تو محمد مصطفی ﷺ ہی کی ہیں، صفات تو اُن لوگوں کی ہیں جو آپؐ کے ساتھ ہیں لیکن یہ رفتہ رفتہ لمبی محنتوں کے ساتھ اور صبر کے ساتھ حاصل ہونے والی صفات ہیں۔ اس لئے میں توقع رکھتا ہوں کہ تم اس سفر پر بڑی وفا کے ساتھ قدم مارتے رہو گے جب تک ان رفعتوں کو حاصل نہیں کرو گے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ نے حاصل کیں۔ اُس وقت تک تھکو گے نہیں، ماندہ نہیں ہو گے، ہمت نہیں ہارو گے۔ مسلسل صبر اور دعاؤں کے ساتھ اسی رستے پر گامزن رہو گے۔ یہ وہ پیغام تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس تحریر میں آپ کو دیا جس کا گزشتہ جمعہ میں میں نے ذکر کیا تھا۔

پھر وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اُن میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کیا رنگ بھرتی ہے؟ آپؐ کی معیت سے اُن میں کیا پاک تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں؟ کیا کردار اُن کا ابھرتا ہے اس معیت کے نتیجے میں، اس کی تفصیل بیان فرمائی گئی۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ وہ کفار پر بہت شدید ہیں۔اس مضمون پر میں پہلے بھی ایک خطبے میں تفصیل سے روشنی ڈال چکا ہوں۔ کفار پر شدید کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ دلوں کے سخت ہیں، یا پتھر دل لوگ ہیں یا اُن میں غصہ پایا جاتا ہے یا اُن میں بداخلاقی کی حد تک تیز کلامی پائی جاتی ہے اور معاف کرنا نہیں جانتے یا وہ ہر طرح کے دشمن کو کچلتے اور زیر کرتے اور ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔ایک اَشِدَّآءُ کے یہ بھی معنی ہیں مگر اَشِدَّآءُ کے یہ معنی دلوں کی سختی سے تعلق رکھتے ہیں۔بعض قوموں میں یہ ظلم کا مادہ پایا جاتا ہے،خواہ بظاہر وہ رحمان اور رحیم نظر آتے ہیں۔

اب بوسنیا کے مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ لوگ دل کے سخت ہیں بظاہر رحم کرنے والے ہیں۔دل کے ایسے سخت ہیں کہ ایسے ایسے ہولناک مظالم اس تہذیب کے زمانے میں جس میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تہذیب دنیا کی چوٹی پر پہنچ چکی ہے، ترقیات کی چوٹی پر پہنچ چکی ہے ایسے ایسے مظالم کر رہے ہیں جو پرانے زمانے کے بہیمانہ مظالم کو شرما رہے ہیں، اُن کی کوئی حیثیت نہیں۔ آج کے متمدن زمانے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر انسان گراوٹ اختیار کرتے ہوئے بہیمانہ حرکتیں کرے گا، جانوروں کی سطح پر اتر جائے گا اور دیکھے گا اور ایسی حرکتیں کرنے دے گا۔

پس اَشِدَّآءُ کا یہ معنٰی نہیں ہے۔ اَشِدَّآءُ کا تعلق جو محمد رسول اللہ کے غلاموں کی صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے، دلوں کی سختی اور کرختگی سے نہیں ہے۔اس کے دو معنی ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ دشمنوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اپنی صفات حسنہ کو اُن میں جاری کرتے ہیں۔دوسرے ہیں اُن کی صفات کو قبول نہیں کرتے۔ اُن کی گندی عادتیں اور بری عادتیں، اُن کے معاشرے کی خرابیاں اُن کے معاشرے میں اثر انداز نہیں ہوسکتیں، اُن کی طرز زندگی پاکیزہ ہے تو پاکیزہ ہی رہتی ہے۔پس وہ تبدیل کرنے والے لوگ ہیں تبدیل ہونے والے لوگ نہیں ہیں۔اس پہلو سے جب آپ مسلمانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ بڑے بڑے معاشروں کو تبدیل کیا ہے، بڑی بڑی تہذیبوں

کے رنگ بدلے ہیں اور اُن کو الٰہی رنگ دے دیئے ہیں اور اُن کو الٰہی تہذیبیں بنا دیا ہے لیکن خود اپنی پاک تہذیب کو انہوں نے بدلنے نہیں دیا۔ دنیا کے جس خطے میں بھی گئے ہیں وہ الٰہی تہذیب کو دنیا میں نافذ کرنے والے اور رائج کرنے والے بنے ہیں۔

پس دلوں کی سختی کا اَشِدَّآءُ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ وہ آپس میں ایک دوسرے پر بہت رحم کرنے والے ہیں۔ آپس میں جو لوگ رحم کیا کرتے ہیں اُن کا گہرے انسانی خلق سے تعلق ہوتا ہے۔ وہ وقتی طور پر مصلحتوں کے پیش نظر رحم نہیں کیا کرتے، اُن کے دل میں رحم کا جذبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ قومیں جو سخت مزاج ہیں، پتھر دل ہوا کرتی ہیں۔ اُن کے آپس کے رحم بھی ایک سطحی حیثیت رکھتے ہیں اور سرسری سی اُن کے رحم کی کیفیات بظاہر دکھائی دینے والی کیفیات ہیں، گہرائی میں اُن کی فطرت میں اُن کی جڑیں نہیں ہوا کرتیں۔ پس یہ قومیں جن کی شدت کے نمونے آج بوسنیا میں دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ وہ لامذہب قومیں ہیں جو جاپان میں ہوں یا ہندوستان میں ہوں یا انگلستان میں ہوں یا امریکہ میں ہوں دراصل ان کا رنگ بھی ایک ہے، ان کا مذہب بھی ایک ہے، ان کا دستور بھی ایک ہے یعنی خدا سے دور ہٹی ہوئی قومیں ہیں۔ ان کا کوئی تعلق رنگ کی سفیدی یا رنگ کی سیاہی سے نہیں ہے۔ یہ صفات وہ ہیں جو خدا کے انکار کے نتیجے میں دلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ انسان کی شخصیت لامذہب کے طور پر ابھارتی ہیں۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ یہ صرف سفید قوموں کے اطوار ہیں جو بیان ہو رہے ہیں۔ کوئی رنگ اس میں بیان نہیں ہوا۔ تمام وہ قومیں جو خدا سے دور ہوتی ہیں جن کی تہذیب سطحی ہوتی ہے جن کی تہذیب کی جڑیں خدا اور اس کے تعلق میں قائم نہیں ہوتیں۔ وہ اُن کی صفات ہیں جو بیان فرمائی جا رہی ہیں۔

جاپان کو دیکھیں کتنی مہذب قوم ہے۔ میں نے جب جاپان کا سفر کیا تو میں حیران رہ گیا کہ جتنی حیرت انگیز نرمی ان کی تہذیب میں پائی جاتی ہے جیسی خوش اخلاقی، ان کی گلی بازاروں میں دکھائی جاتی ہے جس طرح یہ لوگ مہذب اور نرم گفتار اور دوسرے کا خیال رکھنے والے اور با اخلاق ہیں۔ دنیا کے پردے میں کسی قوم میں ایسے اخلاق دکھائی نہیں دیتے مگر جڑیں خدا کے تعلق میں نہیں ہیں۔ جڑیں صرف کھوکھلی اور سطحی ہیں۔ ایسی جڑیں جو ایسی مٹی پر ہوں جو چٹان پر واقع ہو جب تک ابتلا نہ آئے وہ قائم رہتی ہیں، جب آندھی چلے، طوفان آئیں تو وہ مٹی ڈھل کر چٹان کو اُسی طرح چٹیل اور صاف

چھوڑ جاتی ہیں تو اُن کی شدت جو ہے وہ دلوں کی سختی سے تعلق رکھتی ہے اور اُن کی نرمی سطح سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اُن مسلمانوں کی صفات ہیں جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمائی گئیں اور آپؐ کے ساتھیوں کی، وہ بالکل برعکس منظر پیش کرتی ہیں۔ اُن کی سختی ظاہری ہے لیکن دلوں میں گہری نرمی پائی جاتی ہے اور رحم پایا جاتا ہے اور یہ رحم وہی ہے جس کا ذکر آنحضرت ﷺ کی صفات میں بیان فرمایا گیا۔ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:۱۰۸) تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ پس جو اَشِدَّآءُ کے معنی بھی آپ کرنا چاہیں کریں لیکن رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی بنیادی صفت کے مقابل پر اس کے مخالف معنی کرنے کی آپ کو اجازت نہیں۔ کوئی اَشِدَّآءُ کا معنی آنحضرت ﷺ کے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ سے ٹکرائے گا وہ معنی ٹوٹ جائیں گے، وہ پارہ پارہ ہو جائیں گے مگر حضور اکرم ﷺ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا جو تصور ہے وہ قائم رہے گا۔ وہ عالمی تصور ہے، وہ غالب تصور ہے۔ اُس تصور کی روشنی میں آپ کو اَشِدَّآءُ کے معنی کرنے پڑیں گے۔ پس رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے مراد یہ ہے کہ حقیقت میں وہ رحم کرنے والے لوگ ہیں، حقیقت میں وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے رحمت ہیں۔ اُن کی شدت کفر سے تعلق رکھتی ہے، دراصل کفر کو قبول نہیں کر سکتے اور کفر کو تبدیل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، یہ وہ معنی ہیں جو دائمی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ جس صفت کا تعلق ہو وہ دائمی ہو جایا کرتی ہے۔ وہ صفات حسنہ جو بظاہر کتنی اچھی دکھائی دیں جن کا تعلق اللہ کی ذات سے نہ ہو وہ عارضی ہوا کرتی ہیں، وہ ہمیشہ قائم نہیں رہا کرتیں۔

پس جاپانیوں کو دیکھیں کتنی مہذب قوم ہے لیکن دوسری جنگ عظیم میں جب ان کی ٹکر لگی ہے باقی دنیا سے تو جیسے جیسے مظالم انہوں نے کئے ہیں ان کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسی مہذب قوم کس طرح تہذیب کے ہر تقاضے سے عاری ہو جائے گی اور ننگی ہو جائے گی۔ اندر سے صاف ستھری دھلی ہوئی سخت بے رحم چٹان نکل آئے گی۔ اُن کی تہذیب اُس روئیدگی کی طرح تھی جو چٹان کے اوپر پتلی سی مٹی کے اوپر ابھری ہوئی ہو اور جب جنگ نے ان کو آزمایا، جب دشمنیاں ابھری ہیں تو اندر سے جو بہیمانہ تہذیب ابھری ہے جو قدرتی طور پر اُن کی قوم کی ذات کا حصہ تھی۔ وہ ایسی سخت تھی، ایسی ظالمانہ تھی کہ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ کبھی مغربی قوموں نے ایسے مظالم نہیں کئے۔ جتنا اس مشرقی قوم نے مظالم کئے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس تعلق میں جاپان نے جو کوریا پر ظلم کئے تھے، اُن سے متعلق الہام ہوا جو آپؑ کے وصال کے بہت بعد میں پورا ہوا۔ لیکن بڑی شان کے ساتھ کھل کر پورا ہوا۔ وہ تھا کہ ایک مشرقی طاقت، الفاظ میں شاید کوئی فرق پڑ جائے مگر مضمون یہی ہے ''ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت ہے۔'' (تذکرہ صفحہ: ۴۲۹) یعنی کوریا پر ایک مشرقی طاقت ایسے مظالم کرے گی کہ وہ آخری دموں تک پہنچ جائے گا اور کوریا پر جو جاپان کے مظالم ہیں اُن کی جو تاریخ میں ان کا ذکر موجود ہے اُس کو پڑھ کر دیکھ لیں کہ اتنے شدید مظالم تھے، ایسے بہیمانہ مظالم تھے کہ واقعۃً یہ بات سمجھ آ جاتی ہے کہ کیوں الہام الٰہی میں اُن کا ذکر فرمایا گیا۔ وہ عام دنیا میں ہونے والے مظالم سے مختلف اور زیادہ شدید تھے۔

پس اَشِدَّآءُ کے مضمون کو آپ اچھی طرح سمجھ لیں۔ آپ نے شدید اُن معنوں میں نہیں ہونا کہ آپ پتھر دل رکھتے ہیں اور اُس کے اوپر نرمی کی ہلکی سی ایک تہہ ہے جو تہذیب کی ایسی تہہ ہے جیسے پتھر کے اوپر مٹی پڑی ہو اور اُس پر روئیدگی ہو جائے۔ آپ کی بنیاد رحمت پر ہے اور اُس رحمت کو غیروں کے اثر سے بچانے کے لئے آپ کو شدت کا ایک خول عطا ہوا ہے۔ وہ خول آپ کی حفاظت کے لئے ہے۔ وہ اس مقصد کے لئے ہے کہ جب آپ غیروں سے تعلق جوڑیں گے تو کہیں اُن کے بداثرات کو قبول نہ کر لیں۔ پس آپ کی رحمت کی حفاظت کی خاطر وہ شدت ہے جس کا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ پھر فرمایا رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا اُن کے اندر کوئی تکبر نہیں پایا جاتا۔ اگر اَشِدَّآءُ فی ذاتہٖ ہو تو متکبر لوگ ہونے چاہئیں جیسے بعض قومیں ہیں جیسے پٹھانوں میں شدت پائی جاتی ہے۔ اُن کے رکوع وسجود میں بھی ایک قسم کی سختی پائی جاتی ہے، دل نرمی سے عاری ہیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ نہیں ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ سے تربیت پانے والے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے تربیت پانے والے تو بے حد رُحَمَآءُ ہیں اور تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا تو اُن کو ہمیشہ خدا کے حضور جھکے ہوئے دیکھے گا اور سجدے کی حالت میں پائے گا۔ يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وہ اللہ ہی سے فضل طلب کرتے ہیں اور اُسی کی رضا چاہتے ہیں۔

اس مضمون کا تعلق اس آیت کریمہ سے ایک اور رنگ میں بھی قائم ہو جاتا ہے۔ جس کی تفصیل میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ اقتباس پڑھا تھا۔ اس آیت میں ذکر یہ

ہے کہ دیکھو حلال رزق کھاؤ اور حرام رزق پہ منہ نہ مارو اور حلال رزق میں سے وہ کھاؤ جو طیب ہو اس کا انسانی معاشرے، انسانی سیاست، انسانی اقتصادیات کی اصطلاح سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اگر ہر انسان اور ہر قوم حلال رزق پر قائم ہو جائے اور یہ فیصلہ کر لے کہ ہم نے حرام رزق پر منہ نہیں مارنا۔ حرام رزق سے مراد صرف وہ رزق مراد نہیں جس کو خدا نے گوشت وغیرہ یا بعض ایسے کھانے جن کو حرام قرار دیا۔ حرام رزق میں حرام طریقے سے کمایا ہوا ہر قسم کا رزق شامل ہو جاتا ہے۔ دوسری قوموں پر ظلم کر کے چھینا ہوا رزق بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ حرام رزق کا تعلق ہر اُس رزق سے ہے جو انسان ناجائز ذرائع سے کماتا ہے اور کھاتا ہے۔

پس اس پہلو سے اس آیت کا اس آیت سے ایک اور جوڑ قائم ہوتا ہے کیونکہ فرمایا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وہ اللہ کا فضل چاہتے ہیں۔ فضل کے مختلف معنی ہیں مگر بنیادی معنی فضل کا یہ ہے کہ جو زائد چیز کسی کو حاصل ہو جائے اگر وہ زائد چیز بیہودہ ہو تو اُس کو فضول کہتے ہیں۔ اگر وہ اچھی ہو تو اُس کو فضیلت کہتے ہیں۔ یہاں جس فضل کا ذکر ہے وہ فضیلت والے فضل کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیل میں میں اس وقت نہیں جا سکتا۔ بہت وسیع مضمون ہے جس کا فضل کے معنوں سے تعلق ہے۔ میں اُس حصے کو صرف بیان کروں گا جو اس وقت میرے مضمون میں پیش نظر ہے اور وہ ہے رزق کا حصول تجارت کے ذریعے جو منافع آتا ہے اصل سے بڑھتا ہے اُس کو بھی فضل کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے جہاں نماز جمعہ میں آنے کے لئے تجارت سے روکا، اُس کے بعد جب دوبارہ جانے کی اجازت دی تو فضل کے حصول کے ساتھ اُس کا ذکر فرمایا ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الجمعہ: ۱۱)

تو یہاں نماز جمعہ کے بعد زمین میں منتشر ہو کے جس فضل کے حصول کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ وہی تجارت والا فضل ہے جس کے متعلق پہلے فرمایا کہ نماز جمعہ کی خاطر اس سے رُک جاؤ۔ پس اور بھی بہت سے قرآن کریم میں لفظ فضل کے استعمالات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ دنیاوی رزق پر بھی جو برکت کے طور پر انسان کو عطا ہوتا ہے فضل کا لفظ صادق آتا ہے اور اطلاق پاتا ہے۔ پس وہاں خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تم رزق حلال کماؤ اور کھاؤ۔ رزق حرام نہ کھانا۔ اگر رزق حرام کھاؤ گے تو

تمہارے اندر سے ہر قسم کی خوبیاں رفتہ رفتہ مٹتی چلی جائیں گی اور تم شیطان کے بندے بن جاؤ گے اور خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ کی پیروی شروع کر دو گے اور ایسے وجود کی پیروی کرو گے جو ہر معاملے میں تمہارا دشمن ہے یعنی کوئی بھی بھلائی تمہیں حاصل نہیں رہے گی۔ دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے والی قومیں بن جاؤ گے یا دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے والے افراد بن جاؤ گے۔

پس رزق حلال کے ساتھ مومن کی پاکیزہ زندگی کا بہت گہرا تعلق ہے اُس کے بغیر مومن کا تشخص ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ مضمون بھی ہے جو یہاں بیان فرمایا گیا ہے۔ یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا وہ اللہ سے فضل چاہتے ہیں، وہ اپنے زور بازو سے خدا کے قوانین توڑ کر فضل حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جو بھی برکت مانگتے ہیں وہ اللہ سے مانگتے ہیں اور ایسی برکت مانگتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کی رضا شامل ہو۔ پس ہر وہ رزق جو خدا کے قانون کو توڑ کر اُس کی وصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے حاصل کیا جائے وہ رضوان سے عاری ہوتا ہے۔ فرمایا وہ رضوان والا رزق چاہتے ہیں۔ وہ ہر برکت وہ مانگتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کی رضا شامل ہو۔ اس کے نتیجے میں کیا ہوتا ہے سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کہ سجدے کی ایک یہ بھی تعریف ہے کہ ہر بات جو انسان اپنے لئے چاہتا ہے زائد کے طور پر، نعمت کے طور پر، فضل الٰہی کے طور پر اُس کے ساتھ اللہ کی رضا کی شرط شامل ہے۔ یہ وہ روح کا سجدہ ہے جس کے اثرات انسان کے چہرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں، اُس کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

پس یاد رکھیں کہ وہ لوگ جو خدا کی رضا کے تابع زندگی بسر کرتے ہیں اُس سے فضل چاہتے ہیں، اُس کی رضا چاہتے ہیں، یہ ایسی صفات نہیں ہیں جو اُن کے وجود کے اندر چھپی رہیں اُن صفات حسنہ کی روئیدگی اُس طرح اُن کے چہروں پر پھوٹتی ہے جیسے وہ بیج جو زرخیز زمین پر بویا جاتا ہے اور پھوٹتا ہے لیکن سطحی طور پر روئیدگی نہیں ہوا کرتی۔ اُس کا گہرا تعلق اُس زرخیز زمین سے قائم ہوتا ہے۔ اُس روئیدگی کو وہ مٹا نہیں سکتا۔ وہ بڑھتی ہے اور نشو ونما پاتی ہے۔ اُن کی صفات حسنہ جن کا تعلق سجدے سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اندر اپنی جڑیں رکھتی ہیں۔ اُن کے اثرات جب اُن کے چہروں پر ظاہر ہوتے ہیں تو اُن کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ بڑے سے بڑا ابتلاء آئے، بڑے بڑے اختلافات پیدا ہوں، اُن کے قومی جھگڑے ہوں، وہ جنگوں پر دھکیلے جائیں اور دشمنوں سے نبرد آزما ہوں، تب بھی

ان اخلاقِ حسنہ کو کوئی چیز تباہ نہیں کر سکتی کیونکہ ان کا تعلق سجدوں سے ہے، اُن کا تعلق اللہ کی اطاعت سے ہے۔ اُن کی جڑیں گہری ہیں، یہ وہ صفات حسنہ ہیں جو ہمیشہ قائم رہنے والی ہیں۔ انہی کا ذکر ہے جو انجیل میں فرمایا گیا ہے۔ انجیل نے کوئی نئی صفات نہیں بیان کی ہیں حقیقت میں یہی وہ صفات ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ؐ کے ساتھیوں کی صفات ہیں جن کا انجیل میں ذکر ہے۔ صرف اُن کی نشو و نما کی رفتار کا فرق دکھایا گیا ہے۔ مثال ایسی دی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ آہستہ آہستہ نشو و نما ہو گی لیکن ہو گی یقینی اور رفتہ رفتہ پھیلتی چلی جائے گی۔

اب ہم انجیل میں دیکھتے ہیں کہ اُس نشو و نما کا ذکر کیسے کیا گیا ہے؟ مگر اگر اب میں نے یہ بات شروع کی تو پھر خطبے کا وقت گھنٹے سے بہت زیادہ بڑھ جائے گا۔ آج تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ آج کا خطبہ براہ راست Televise نہیں ہو رہا لیکن کل فرق پڑ جائے گا۔ جب یہ خطبہ دوبارہ Televise کیا جائے گا اور آج اگر میں نے لمبا خطبہ دے دیا تو آئندہ خطبہ میں یہ Televise ہو نہیں سکے گا۔ اس لئے مجبوری کی خاطر اب مجھے یہیں بات ختم کر دینی چاہئے۔

میں آپ کو یہ سمجھا رہا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو اقتباس پڑھ کر آپ کو سنایا تھا۔ اُس کا تعلق قرآن کریم میں کن کن آیات سے ہے۔ ایک تعلق تو اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ (الجمعہ:۴) والی آیت سے ہے۔ جس کے متعلق پہلے بھی بات ہو چکی ہے۔ دوسرا تعلق اس آیت کریمہ سے ہے جو سورۂ فتح سے لی گئی ہے اور میں یہ آپ کو سمجھاؤں کہ یہ آیات جن سورتوں میں ہیں اُن کے عنوانات سے بھی ان کا گہرا تعلق ہے۔ سورۂ فتح صرف اُس فتح کی خوشخبری نہیں دے رہی جو اوّلین کی فتح تھی۔ صرف اُس فتح کی خبر نہیں دے رہی جس کا تعلق حضرت رسول اکرم ﷺ کے اوّل زمانے سے تھا بلکہ آخرین کے زمانے میں بھی ایک عظیم فتح کی خوشخبری دے رہی ہے اور اسی لئے یہ دونوں ذکر جو موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ کی کتب میں ملتے ہیں اُن کو اکٹھا بیان فرما دیا گیا ہے۔ بتایا گیا کہ ایک فتح تو وہ ہے جو حضرت رسول اکرم ﷺ کے اُس زمانے میں ہو گی جب محمد ﷺ اپنی جلالی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوں گے اور تیزی کے ساتھ دنیا میں پھیلیں گے اور مضبوطی کے ساتھ زرخیز زمینوں میں جڑیں پکڑ جائیں گے۔ ایک وہ زمانہ ہے جب موسیٰ ؑ کی بجائے عیسیٰ ؑ کی تمثیل اُن پر صادق آئے گی اور یہ آخرین کا زمانہ ہو گا۔ وہاں جلالی شان کی طرح تیزی اور فوری طور پر جلوہ نمائی سامنے نہیں آئے گی بلکہ روئیدگی کی طرح

جلوہ نمائی سامنے آئے گی، نرمی کے ساتھ رفتہ رفتہ بیج اپنی کونپلیں نکالے گا اور وہ کونپلیں سرسبز تر ہوں گی اور زیادہ سبز ہوتی چلی جائیں گی، اُن کے اندر سے شاخیں پھوٹیں گی، اُن کے بندھن مضبوط ہوں گے اور اپنی ذات میں، اپنے وجود میں قائم ہوتے چلے جائیں گے۔ تمام دنیا میں جو جماعت احمدیہ پھیل رہی ہے یہ تمثیل اُن پر صادق آ رہی ہے۔

لیکن کس قوت سے وہ نشوونما پائیں گے؟ وہ قوت وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی قوت ہے۔ کون سی صفات ہیں جو دوبارہ ان میں جلوہ گر ہوں گی اور ان کی نشوونما کا موجب بنیں گی؟ یہ وہی صفات ہیں جن کا ذکر پہلی آیت میں ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ اَشِدَّآءُ کا ایک تو معنی یہ ہے کہ زور کے ساتھ اپنا اثر دوسروں پر دکھاؤ، دوسروں میں رائج کر کے دکھا دینا، دوسرے کو اپنے اثر سے مغلوب کر دینا اور ایک اثر ہے کہ دشمن جتنا چاہے اُس سے مغلوب نہ ہونا۔ ہر طرح کی کوشش جو دشمن آپ کے اخلاق کو بدلنے کے لئے کرے گا اُس کو نامراد کر دے گا۔ اَشِدَّآءُ وہ پتھر ہے مثلاً جو کروڑوں سال بھی پانی میں پڑا رہے تو پانی کا اثر اندر نہیں جاتا۔ اتنا وہ آپس میں مضبوطی سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں اُس کے ذرات، جو کسی غیر اثر کو قبول ہی نہیں کرتا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے جو تشبیہ دی ہے اُس پہ اَشِدَّآءُ کا معنٰی صادق آتا ہے مگر ذرا فرق کے ساتھ یہاں زیادہ تر وہ معنی صادق آتا ہے کہ وہ پھیلیں گے، پھولیں گے، پھلیں گے، غیر اُن کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اُن کے اخلاق کو بگاڑنے کی کوشش کرے گا مگر ناکام رہے گا کیونکہ وہ وہی بندے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اگر وہ صفات دوبارہ ان میں پیدا نہ ہوں تو آخرین ہو کر پہلوں سے مل کیسے سکتے ہیں؟ پس ملنے کا مضمون صفاتی مضمون ہے، زمانے کے لحاظ سے تو آپ مل نہیں سکتے، قومی لحاظ سے آپ مل نہیں سکتے۔ اگر مل سکتے ہیں تو صفات حسنہ کے ذریعے مل سکتے ہیں اور انہی صفات کے ذریعے مل سکتے ہیں جن کا آیت کے پہلے حصے میں ذکر ہے۔

پس میں جماعت احمدیہ کو اس بات پر تیار کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور اُن لوگوں کی صفات جو 'مَعَهٗٓ' تھے، آپؐ کے ساتھ تھے۔ اُن کو اختیار کئے بغیر آپ کی روئیدگی نشوونما نہیں پا سکتی ہے۔ اُن کے بغیر آپ حقیقت میں اُس تمثیل کے آئینہ دار نہیں ہو سکتے، اُس تمثیل کا مظہر نہیں بن سکتے جو تمثیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کے متعلق

بیان فرمائی تھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ ایک موسیٰؑ کا ذکر تھا جو اوّلین دور پر زیادہ شان کے ساتھ پورا ہوا۔ ایک عیسیٰؑ نے ذکر کیا جو محمد رسول اللہ ﷺ کی احمدی شان کے ساتھ تعلق رکھتا تھا اور اس دور میں اُس نے اطلاق پانا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے بن جائیں، آپؐ کے اُن غلاموں میں سے بن جائیں جن میں محمدی شان جلوہ گر ہو۔ **یہ شان خواہ شدت کے ساتھ جلوہ گر ہو یا نرمی کے ساتھ یہ وہ شان ہے جو غالب آنے والی شان ہے جس شان کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ یہ وہ روئیدگی ہے جو چٹان کی سطح پر نہیں بلکہ گہری زرخیز زمین میں اس کی جڑیں ہیں اور وہ روئیدگی جو آپ کے چہرے پر اخلاق محمدی کے طور پر ظاہر ہوئی یہ وقتی تقاضوں سے مٹ نہیں سکے گی۔ ہر ابتلا میں، ہر مصیبت کے وقت یہ اُسی طرح قائم رہے گی کیونکہ اس کی جڑیں گہری، سرسبز زرخیز زمین میں واقع ہیں۔**

یہ جو تمثیل ہے اس کی تفصیل آئندہ انشاء اللہ خطبے میں میں پھر مزید بیان کروں گا تا کہ جماعت کو اپنے تشخص کا علم ہو جائے، یہ تو پتا چلے کہ جماعت احمد یہ ہے کیا؟ اس تشخص کے علم کے بغیر آپ کی صفات بن نہیں سکتیں۔ آپ کے اندر جو صفات حسنہ ہونی چاہئیں اُن کا آپ کو علم نہیں ہوگا۔ آپ ہیں کون؟ آپ کی ذات ہے کیا؟ یہ علم ضروری ہے اور یہ علم آپ کو ان آیات میں دیا گیا ہے۔ اس تشخص کے بعد جب پھر آپ اپنے وجود کو دیکھیں گے، پھر آپ موازنہ کر سکیں گے، پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ کس حد تک 'وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ' کہلانے کے مستحق ہیں اور کس حد تک اس تصور سے دور جا پڑے ہیں۔ پس جتنا آپ اس تصور سے دور ہیں اتنا ہی روحانی انقلاب سے دور ہیں، اُتنا ہی اُس فتح سے دور ہیں جس کا سورہ فتح میں وعدہ دیا گیا ہے، اتنا ہی اس الٰہی وعدہ سے دور ہیں جس کا ذکر آیت کے آخری حصے میں ملتا ہے کہ خدا نے اُن لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ اُن کو ضرور یہ ترقیات نصیب ہوں گی۔

پس پہلے اپنے تشخص کو پہچانیں اور واضح طور پر دیکھیں کہ تشخص ہے کیا؟ پھر اُن فاصلوں کو کم کریں جو آپ کی عملی زندگی کے اس تشخص کی زندگی کے ساتھ ہیں جب آپ کی عملی زندگی اُس تشخص کی زندگی سے انطباق پا جائے گی۔ اگر جماعتی طور پر ایسا ہوا اور کثرت کے ساتھ احمدیوں کا تشخص اُن کی عملی زندگی کے ساتھ انطباق پا گیا تو وہ وقت ہوگا کہ ناممکن ہے کہ دنیا آپ کی ترقی کو روک سکے۔ پھر تو لازماً

آپ نے پھیلنا ہی پھیلنا ہے، لازماً آپ نے دنیا پر غالب آنا ہے کیونکہ خدا کا یہ وعدہ ہے آپ کے ساتھ جو سورہ فتح میں دیا گیا ہے۔ پس آخرین کا یہ دور ہے جس میں ہم گزر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ اس دور کی تمام برکتیں ہمیں حاصل ہو جائیں اور خدا کرے کہ محمد رسول اللہ کی صفات سے مزین اور لیس ہو کر ہم دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو اور جلد تر ایسا ہو۔ (آمین)۔

نماز جمعہ اور نماز عصر کے معاً بعد امیر صاحب ناروے کی نماز جنازہ ہوگی۔ امیر صاحب ناروے چوہدری عبدالعزیز صاحب چند دن پہلے اچانک حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے ہیں۔ بہت مخلص اور فدائی، بڑے باہمت انسان تھے۔ علم کے لحاظ سے اتنے زیادہ نہیں لیکن تقویٰ کے لحاظ سے بڑے مضبوط تھے۔ اسی پہلو سے میں نے اُن کو امیر مقرر کیا تھا۔ اگر چہ ناروے کی امارت کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ وہاں کئی ایسے مزاج کے لوگ ملتے ہیں جو امیر کی امارت کی راہ میں مسلسل حائل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُس کے باوجود بڑے مضبوط قدموں سے اُنہوں نے صحیح فیصلے کئے، جرأت کے ساتھ فیصلے کئے۔ اُن پر عمل کر کے دکھایا اور قطعاً پروا نہیں کی، نہ دوست کی نہ دشمن کی۔ تقویٰ کی راہ پر قائم رہے۔ پس ان کی وفات ایک نیک انجام کی خبر دیتی ہے اور اس نیک انسان کی نماز جنازہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ جمعہ کی اور عصر کی نماز کے بعد پڑھیں گے۔

یہ خطبہ جو ہے آج میں دے رہا ہوں۔ جب ناروے میں جاؤں گا اور وہاں پہلا جمعہ ہوگا اُس وقت یہ خطبہ دکھایا جائے گا اور نماز جنازہ جو آج ہم پڑھ رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں جو دعاؤں میں سب لوگ شامل ہوں گے یہ درحقیقت آج نہیں بلکہ ناروے کی سرزمین پر جب یہ خطبہ دکھایا جائے گا اُس وقت شامل ہوں گے۔ اُس وقت عالمی طور پر سنا جائے گا۔ عالمی طور پر اُن کے لئے دعا کی تحریک ہوگی۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب توارد ہے کہ اگر چہ آج کا خطبہ ہالینڈ میں دیا جا رہا ہے مگر ناروے کے امیر کے لئے عالمی دعائیں اُس وقت ہوں گی جب میں ناروے کی سرزمین پر ایک اور خطبہ دے رہا ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو غریقِ رحمت فرمائے اور ناروے کی جماعت کو بھی اچھی مضبوط قیادت عطا فرمائے اور اُن لوگوں کو عقل و ہوش دے جو ہمیشہ امیر کی راہ میں کسی نہ کسی رنگ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ساری جماعت کو سچے معنوں میں اطاعت امیر کی توفیق بخشے۔ (آمین۔)